

سورۃ ہود کے متعلق ایک اہم سوال کا جواب

[بعض حدیثوں میں سورۃ ہود کے متعلق وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'شبیئتی ہود' (مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا)۔ اس مضمون میں اس روایت کے متعلق علمائے محققین خصوصاً مولانا فرائی کے نقطہ نظر کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (ادارہ)]

یہ روایت، حدیث کی کتابوں میں متعدد طریقوں سے منقول ہے۔ بعض روایتوں میں 'شبیئتی ہود' کے بعد 'وَأَخَوَاتُهَا' کا لفظ بھی ہے اور مختلف روایتوں میں اس کی تفصیل مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ کہیں 'أَخَوَاتُهَا' کے ضمن میں سورۃ واقعہ، سورۃ قارعہ، سورۃ حاقہ، سورۃ تکویر اور سورۃ معارج کو بیان کیا گیا ہے اور کہیں سورۃ مرسلات، سورۃ نبا اور سورۃ تکویر کو۔ یہ اختلاف انھی دو روایتوں پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ متعدد دوسری روایتوں میں بعض سورتوں کی جگہ دوسری سورتوں کے نام لیے گئے ہیں۔ لیکن اگر ان تمام سورتوں کو جمع کر کے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ 'أَخَوَاتُهَا' کی تفصیل میں جتنی سورتیں مذکور ہیں، وہ تمام تر وہ ہیں جن میں قیامت کے احوال بیان ہوئے ہیں۔ ان تمام سورتوں میں قیامت کا ذکر عمود کی حیثیت سے آیا ہے اور اس کا اس طرح نقشہ کھینچا گیا ہے کہ پوری تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ ہر شخص جو ان سورتوں کو حضور قلب اور نیت صالح کے ساتھ پڑھتا ہے، ان کو پڑھ کر کانپ اٹھتا ہے۔ پڑھنے والے کی طبیعت جتنی زیادہ حساس اور مآل اندیش ہوتی ہے، اتنی ہی زیادہ اس کے اندر دنیا سے بے زاری اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کی لذتیں سوہان روح بن جاتی ہیں۔ عاقبت کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے کہ معلوم نہیں مرنے کے

۱۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم۔ دار المعرفہ، بیروت ۱۹۸۰ء، ۲/۴۳۵۔

ماہنامہ اشراق ۴۱ _____ مارچ ۲۰۱۶ء

بعد کیا حشر ہوگا؟

یہ اثر حسب استعداد کم و بیش تمام پڑھنے والوں پر پڑتا ہے۔ پھر خیال کیجیے کہ جو ہستی صرف اپنی ہی نجات کی فکر مند نہیں ہے، بلکہ پوری امت اور سارے عالم کی غم گسار ہے، اس پر ذکر قیامت کیا قیامت ڈھائے گا! رحمت عالم کی شان رحمت دیکھتے ہوئے یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کہ یہ سورتیں آپ کے قبل از وقت بڑھاپے کا سبب بن گئیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ ہود میں تو بظاہر قیامت کا ذکر بھی نہیں۔ پھر آخر اس میں ایسی کیا چیز ہے جس کی ذمہ داری اور مسئولیت کے غم نے آپ کو قبل از وقت بوڑھا کر دیا؟ سورہ ہود کے متعلق یہ سوال ہمیشہ کھلتا رہا ہے۔ حدیث کی بعض کتابوں میں ہے کہ ایک بزرگ کو خواب میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ انھوں نے اس عقدہ کو آپ سے حل کرنا چاہا اور استفسار کیا کہ سورہ ہود کی کس بات نے آپ کو بوڑھا بنا دیا؟ انبیاء کے قصوں نے؟ تو مومن کی ہلاکت کے واقعات نے؟ یا کسی اور چیز نے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آیت 'فَأَسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتُ' نے۔

لیکن میرے نزدیک یہ سوال لوگوں کے دلوں میں، اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف ذکر قیامت ہی کو غم کا باعث فرض کر لیا ہے، اس لیے جب سورہ ہود میں قیامت کا ذکر کسی خاص اہمیت کے ساتھ نہیں پاتے تو ان کو تعجب ہوتا ہے کہ اس سورہ کو 'شیب' کا باعث کیوں کہا گیا ہے! لیکن حقیقت یہ ہے کہ صرف ذکر قیامت ہی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حزن و ملال کا باعث نہ تھا، بلکہ اس کے علاوہ اور دوسرے اسباب بھی تھے۔ اکثر روایتیں ان اسباب کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے:

شیبتنی ہود و أخواتها و ذکر یوم القيامة
وقصص الأمم.
دوسری روایت میں ہے:

شیبتنی ہود و أخواتها و ما فعل بالأمم
میری امت سے پہلی امتوں کو پیش آئے، بوڑھا بنا دیا۔^۲

ان روایتوں سے واضح ہوتا ہے کہ صرف ذکر قیامت ہی غم کا باعث نہ تھا، بلکہ اس کے اسباب متعدد تھے۔ جن میں 'قصص الأمم' یا 'ما فعل بالأمم' قبلی، بھی شامل ہے، لیکن آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چند اسباب کی طرف اشارہ کیا، کیونکہ احتوا مقصود نہ تھا۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ اگرچہ ذکر قیامت کو آپ نے 'شیب' کا باعث

۲ اس قسم کی بعض دوسری احادیث کے لیے دیکھیے: ابو عبد اللہ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن (بدون تاریخ) ۱/۹-۲، ۱۰۷۔

قرار دیا ہے، لیکن ان کثیر سورتوں میں سے، جن میں قیامت کا بیان خاص طریقہ سے ہوا ہے، صرف چند سورتوں کا آپ نے نام لیا اور کبھی کسی سورہ کا کبھی کسی سورہ کا، کیونکہ مقصود ان کا تعین نہ تھا، بلکہ یہ واضح کرنا تھا کہ آپ کے بڑھاپے میں قیامت والی سورتوں کو بھی دخل ہے۔

الغرض ’شیب‘ کے اسباب گونا گوں تھے، لیکن راویوں نے سمجھا کہ سورہ ہود، سورہ واقعہ اور دوسری سورتیں جن کو آپ نے بیان فرمایا ہے، سب ایک ہی حیثیت سے بڑھاپے کا باعث بنیں، اس لیے وہ ان سورتوں کو ’أخواتھا‘ کہہ کر ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ پر یہ سب سورتیں ایک ہی نچ سے اثر انداز ہوئی ہیں، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، جیسا کہ اوپر میں نے بیان کیا۔ اس خیال کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ زیادہ صحیح روایتوں میں یا تو ’أخواتھا‘ کا لفظ سے سرے آتا ہی نہیں جیسا کہ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ’شیتنی ہود و الواقعة والمرسلات وعم یتسألون وإذا الشمس کورت‘ یا ’وأخواتھا‘ کے بعد واؤ عاطفہ کے ساتھ سورتیں گنائی جاتی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ ’ہود و أخواتھا‘ کی نوعیت دوسری ہے اور ان سورتوں کی دوسری۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ ہود کس نچ سے ’شیب‘ کا باعث ہوئی؟ افسوس ہے کہ اس سوال کی طرف عموماً علما نے بہت کم توجہ کی ہے، البتہ حسب توقع امام رازیؒ نے اس پر طویل بحث کی ہے۔ امام غزالی نے بھی اپنی کتاب ’احیاء علوم الدین‘ میں ایک جگہ محبت الہی کے بیان میں ضمناً اس روایت سے تعرض کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”جس طرح جمال کے ادراک سے قلب میں محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح محبوب کی عظمت کا احساس ہیبت کا باعث ہوتا ہے۔ اس لیے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ محبت و ہیبت کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ عاشقان الہی گو اس کی محبت میں سرشار ہوں، لیکن ان کو ہر وقت اس کے اعراض اور بے نیازی کا ڈر لگا رہتا ہے اور جو قرب و وصال کی لذتوں سے پوری طرح متمتع ہو چکے ہوں، ان کے لیے تو ہجر و فراق کا ذکر ہی قیامت ہے۔ سورہ ہود میں بہت سی قوموں کی ہلاکت اور بربادی کا بیان ہے۔ گو یہ قومیں اپنی سرکشی اور شرارت کی بنا پر ہلاک و برباد ہوئیں، لیکن جس کا دل عظمت الہی اور جلال خداوندی کے تصور سے لبریز ہو، وہ اغیار کے انجام بد کو بھی دیکھ کر اپنی جگہ پر خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے ’أَلَا بُعْدًا لِثَمُودَ أَلَا بُعْدًا لِمَدْيَنَ‘ وغیرہ جیسے زواجر نے آپ کو لرزادیا اور آپ اس فکر میں جلد بوڑھے ہو گئے۔“

امام غزالی کی یہ تقریر بہت لطیف ہے، لیکن ان کی توجیہ صحیح نہیں، کیونکہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے تصریح فرمائی کہ مجھے آیت ’فَأَسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتُ‘ (ہود: ۱۱۲) نے بوڑھا بنا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ بھی اسی بات کے

سے فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، الطبعة الثالثة ۱۸/۱۷۔

سے التفسیر الکبیر ۱۸/۱۷۔

قائل ہیں۔ امام رازی بھی اسی آیت کو 'شیب' کا باعث قرار دیتے ہیں^۵۔ لیکن جس نہج سے وہ قرار دیتے ہیں، اس سے ہمیں اتفاق نہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ "اس آیت میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی مامور بہا عقائد اور مامور بہا اعمال پر استقامت کا حکم دیا گیا ہے اور یہ چیز بہت دشوار ہے۔ عقائد میں اولین درجہ معرفت الہی کا ہے، لیکن بندہ کو صحیح معرفت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی یا تو صفات کثیرہ کا اثبات کرتے کرتے خدا کو انسان بنا دے گا یا تمام صفات سے اس کو معرا کر دے گا اور اگر صحیح معرفت اس کو حاصل بھی ہوئی تو اس پر استقامت بہت زیادہ دشوار ہے۔ یہ حال تو عقائد کا ہے۔ رہی اعمال کی صحیح پابندی اور اس پر استقامت تو ظاہر ہے یہ اس سے بھی بدرجہا دشوار ہے۔ اسی لیے آں حضرت پر یہ آیت ایک بار گراں تھی۔ جس کی فکر نے آپ کو بوڑھا کر دیا۔"

افسوس ہے کہ بوجہ جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، امام رازی کی اس توجیہ سے ہم کو اختلاف ہے۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسی مفہوم کی ایک آیت، بلکہ بعینہ یہی آیت سورہ شوریٰ (۴۲) میں بھی وارد ہوئی ہے۔ (ملاحظہ ہو آیت ۱۵) استقامت کا حکم جس طرح یہاں ہے، ٹھیک اسی طرح وہاں بھی ہے اگر یہی حکم آپ کے بڑھاپے کا باعث ہوا تو پھر سورہ ہود کی تخصیص کے کوئی معنی نہیں۔ پس یہ کہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت آپ پر قرآن کی تمام آیتوں سے زیادہ بار تھی۔ جس کی بنا پر آپ نے شیشینتی ہود فرمایا۔ ظاہر ہے کہ آپ کا یہ قول بالکل آخر عمر کا ہے، اور یہ دونوں سورتیں کی ہیں، اس لیے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ سورہ شوریٰ اس قول کے بعد نازل ہوئی۔ پھر یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ آپ پر استقامت کا حکم اس حیثیت سے جس حیثیت سے امام رازی فرماتے ہیں، کیوں اتنا بار گزرا کہ اس کے غم میں آپ پر جلد بڑھاپے کے آثار طاری ہو گئے۔ کیا واقعی یہ آیت آپ پر اسی لیے بار تھی کہ اس میں ایک ناممکن الحصول چیز کا حکم دیا گیا ہے، اگر ایسا ہے تو انسان ناممکن چیز کا مکلف ہی کب بنایا گیا ہے۔ کیا قرآن کی متعدد آیتوں میں یہ تصریح نہیں کہ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا! کیا نعوذ باللہ آپ اس بات سے بے خبر تھے؟ بہر حال بوجہ ہم کو امام رازی کا یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اب ہم آخر میں اس مسئلہ کے متعلق استاذ امام فراہی کا نقطہ نظر واضح کرنا چاہتے ہیں۔

مولانا بھی حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق آیت فَاَسْتَقِمُّ كَمَا أُمِرْتُ، کو 'شیب' کا باعث قرار دیتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن میں اس آیت سے زیادہ سخت اور کوئی آیت نہ تھی،

۵۔ التفسیر الکبیر ۱۸/۱۷۔

۶۔ التفسیر الکبیر ۱۸/۱۷۔

لیکن مولانا کی توجیہ امام رازی کی توجیہ سے بالکل مختلف ہے۔ مولانا کے نزدیک یہ آیت اس حیثیت سے 'شیب' کی باعث نہیں ہے کہ اس میں ایک محال اور غیر ممکن الحصول چیز کا حکم ہے، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس میں اور بعد کی آیتوں میں ان خرابیوں کی طرف اشارہ ہے جن میں مسلمان مبتلا ہو کر دین و دنیا کو کھو بیٹھیں گے۔ اسی کا غم تھا جس نے رحمت عالم کو قبل از وقت بوڑھا بنا دیا، لیکن یہ اشارہ اتنا صریح نہیں ہے کہ ہر شخص آسانی سے سمجھ لے۔ اس کے سمجھنے کے لیے ذوق سلیم کے ساتھ قرآن کے اسلوب بیان وغیرہ پر بہت گہری نظر ہونی چاہیے۔ بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں عوام کو کوئی خاص بات نظر نہیں آتی، لیکن غور و تدبر کرنے والے علما انھی آیتوں سے عجیب عجیب نکتے پیدا کرتے ہیں۔ پیشین گوئیوں اور اشاروں کا سمجھنا تو اور زیادہ دشوار ہے۔ سورۃ النصر میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی پیشین گوئی تھی، لیکن خاص خاص صحابہ کے سوا عموماً لوگ اس کو نہیں سمجھے، کیونکہ ظاہر الفاظ سے اس کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا۔ اس آیت میں بھی بظاہر کوئی صریح اشارہ ہم کو نظر نہیں آتا، لیکن اگر ان تمام مقدمات کو سامنے رکھا جائے، جن کی بنا پر مولانا اس راے تک پہنچے تھے تو پھر اس میں شیعہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق ہمارے سامنے صرف مولانا کا دعویٰ ہے، ان کے وجوہ و دلائل کی تفصیل بجز چند مجمل اشارات کے ہمارے سامنے نہیں ہے، اس لیے میں یہاں کہتا ہوں کہ اس دعویٰ پر مولانا کے پاس کیا دلائل تھے۔ البتہ جن قرائن سے ہم اس دعویٰ کو صحیح خیال کرتے ہیں، ان کو یہاں بیان کرتے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت تفصیل کے ساتھ پہلے ان قوموں کی دنیاوی ہلاکت اور اخروی عذاب و خسران کو بیان کیا جو فتنہ دولت سے سرشار ہو کر عالم میں فتنہ و فساد پھیلا رہی تھیں اور اپنی ثروت کے غرور میں رسولوں کو جھٹلاتی تھیں اور اللہ کے بندوں کو ایذا میں پہنچاتی تھیں اور آخر میں مشرکین عرب کی ہلاکت کی بشارت سناتے ہوئے اس بیان کو اس آیت پر ختم کر دیا:

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْذِبُ اللَّهُ لَهُ مَا يَعْذِبُونَ إِلَّا كَمَا يَعْذِبُ آبَاؤَهُمْ مِنْ قَبْلُ وَأَنَا لِمُفَوِّدِهِمْ نَصِيصُهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ. (ہود: ۱۰۹)

”سو تو نہ رہ دھوکے میں ان چیزوں سے جن کو پوجتے ہیں یہ لوگ۔ یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے، مگر وہی جیسا کہ پوجتے تھے ان کے باپ دادا اس سے پہلے۔ اور ہم دینے والے ہیں ان کو ان کا حصہ، یعنی عذاب

سے بلا نقصان۔“

اس کے بعد اہل کتاب کے اختلاف کو بالا اختصار بیان کر کے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا. (ہود: ۱۱۲)

”سو تو سیدھا چلا جا جیسا تم کو حکم ہوا اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو۔“

یہ خطاب یہاں خاص اہمیت رکھتا ہے اور درحقیقت اس آیت میں ایک لمبی داستان پنہاں ہے۔ حرف ’فا‘ سے اس جملہ کی ابتدا ہوئی جس کا اقتضایہ ہے کہ اس کا تعلق ماقبل سے ہے۔ سو نظم کلام کو پیش نظر رکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ یہاں مسلمانوں کے لیے یہ بشارت ہے کہ اب ان کو خدا کی فتح و نصرت نصیب ہونے والی ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ اشارہ بھی ہے کہ گزشتہ قوموں کی طرح، مال و دولت پا کر مسلمان بھی اپنے کو طغیان اور اختلاف کی وبا سے محفوظ نہیں رکھ سکتے، اسی لیے ’فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ‘ کے بعد ’وَلَا تَطْغَوْا‘ کہا گیا۔ پس اس میں ایک طرف بشارت ہے اور دوسری طرف سرکشی اور اختلاف میں پڑنے کی پیشین گوئی۔ ان دونوں مسئلوں کو سمجھنے کے لیے متعدد طویل مقدمات کی ضرورت ہے۔ بشارت کے پہلو کو سمجھنے کے لیے دو باتیں پیش نظر رکھیے:

۱۔ قرآن میں امر کے بعد جب نہی آتی ہے تو اس نہی سے امر کے مفہوم کی توضیح و تشریح ہوتی ہے۔ اس کی مثالیں قرآن میں کثرت سے ملیں گی۔ پس ’فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ‘ کے بعد ’وَلَا تَطْغَوْا‘ فرمایا گیا تو گویا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ مال و دولت کے حصول کے بعد جس طرح گزشتہ قومیں طغیان میں مبتلا ہو گئی تھیں، کہیں تم بھی طغیان میں مبتلا نہ ہو جانا، بلکہ جادہ حق پر مستقیم رہنا۔

۲۔ بشارت کا ایک لطیف پیرایہ بیان یہ ہے کہ جس چیز کی بشارت دینی مقصود ہے، اس کا ذکر نہ کیا جائے، بلکہ اس کے لوازم کو نفیاً یا اثباتاً بیان کر دیا جائے۔ اس سے ملزم کی بشارت خود بخود سمجھ لی جائے گی۔ غور کیجیے، تسلی کا موقع ہے سرکش قوموں کی ہلاکت کا طویل بیان تسلی ہی پر ختم ہوا ہے اور بعد کی آیت میں بھی ایک گونہ تسلی ہی ہے۔ اسی کے بعد حرف ’فا‘ کے ساتھ آیت ’فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ‘ الایہ کی ابتدا کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مقصود ان قوموں کے تکبر و تشہ و دولت کے انجام بد کو دکھلا کر مسلمانوں کو استقامت کا حکم دینا ہے اور طغیان سے روکنا ہے جو لازماً دولت و ثروت ہے تو کیا اس طغیان کی نہی سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اب مسلمانوں کو وہ چیز ملنے والی ہے جس کا لازمی نتیجہ طغیان ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہاں ’وَلَا تَطْغَوْا‘ کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ یہ بات اپنی جگہ پر بالکل واضح ہے کہ طغیان کا جذبہ، مال و دولت کی فراوانی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کی متعدد آیتوں میں اس کی تصریح ہے۔ مثلاً: ’كَذَٰلِكَ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِكَبَّاسٌ يُكْذِبُ، أَلَمْ يَرَأْهُ اسْتَغْنَىٰ‘ (العلق ۶: ۷-۸)۔

پس جب طغیان کی نہی کی گئی جو لازماً استغنا ہے تو اس سے خود ظاہر ہو گیا کہ مسلمانوں کو اب استغنا نصیب

ہونے والا ہے۔

پیشین گوئی کے لیے، جیسا کہ پہلے میں نے عرض کیا، کوئی صریح اشارہ یہاں پایا نہیں جاتا، لیکن گزشتہ قوموں کے اختلاف و طغیان کو ذکر کرنے کے معاً بعد استقامت کے حکم اور طغیان کی نہی سے حقیقت سنج دماغ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ امر وہی یہاں کوئی خاص اہمیت رکھتے ہیں اور پھر دو تین آیتوں کے بعد جو نسخہ شفا تجویز کیا گیا ہے، اس سے تو اہل نظر مرض کے وجوہ اور اس کی نوعیت کا اندازہ بہ خوبی لگا لیتے ہیں۔ چنانچہ انھی دو آیتوں کے بعد جن میں طغیان اور اختلاف میں پڑنے کا اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ و صبر کا حکم دیا ہے۔ یہ دونوں چیزیں دراصل سابق الذکر بیماریوں کی دوا ہیں۔ طغیان اور اختلاف کے پیدا ہونے کے اسباب و وجوہ پر اگر آپ کی نظر ہو تو آپ بہ خوبی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ نماز کیوں کر ان اسباب کا بیخ و بن کے ساتھ خاتمہ کرتی ہے۔ مال و دولت کی فراوانی کے بعد انسان کے دل و دماغ پر ایک نشہ سوار ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے کو اللہ سے اور لوگوں سے بے نیاز سمجھنے لگتا ہے، اس لیے وہ نہ تو اللہ کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتا اور نہ کسی بات میں لوگوں کی پروا کرتا ہے۔ جب کسی قوم کے افراد کی حالت اس حد تک پہنچ جاتی ہے تو وہ شکست و نامرادی سے دوچار ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت سے محروم ہو کر برباد ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ یہاں کہا گیا ہے: ثُمَّ لَا تَنْصُرُوْنَ، پھر جب تک یہ قوم اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتی، ہلاکت سے بچ نہیں سکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کے لیے نماز کا حکم دیا، کیونکہ نماز ہی رحمت کا سبب ہے۔ یہی رجوع الی اللہ کی نشانی ہے۔ اسی سے مال و دولت کا نثر ازل ہوتا ہے اور اسی سے انسان کے دل و دماغ کی ہر کل درست ہوتی ہے جیسا کہ مختلف آیات میں کہا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا، إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ
جَزُوعًا، وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا، إِلَّا الْمُصَلِّينَ،
الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ.

(المعارج ۴۰: ۱۹-۲۳) نمازوں کا کبھی ناغہ نہیں کرتے۔“

ان اشارات کے علاوہ بعد کی آیتوں میں اور بھی اشارے پائے جاتے ہیں، لیکن یہاں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ فراہی کے نزدیک سورہ ہود اس حیثیت سے ’شیب‘ کا باعث ہوئی کہ اس میں ان خرابیوں کی طرف اشارہ تھا جو مسلمانوں میں آئندہ پیدا ہوں گی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے

ساتھ جو محبت تھی، اس کو دیکھتے ہوئے کچھ تعجب نہیں کہ آپ ان خرابیوں کے تصور سے جلد بوڑھے ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو کہ اگر ان آیات میں پیشین گوئی ہے تو یہی پیشین گوئی سورہ شوریٰ میں بھی ہونی چاہیے جہاں بعینہ یہی آیت موجود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مفہوم آیات کی تعیین کا ذریعہ سیاق و سباق اور نظم کلام ہے۔ یہاں الفاظ اور نظم کلام سے اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، لیکن سورہ شوریٰ میں یہ آیت ایک دوسرے موقع پر ہے، اسی لیے وہاں استقامت کے حکم کے بعد 'لَا تَطْغَوْا' کہنے کے بجائے 'وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ' کہا گیا۔ اس نہی سے اس آیت کا مفہوم متعین ہوگا، جیسا کہ میں پہلے قاعدہ عرض کر چکا ہوں۔

(مارچ ۱۹۳۶ء، قرآنی مقالات ۱۸۶-۱۹۴)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

